R. No. 2186/57 — Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون - ۲۹
قیمت تین پیسے سالانہ
[illegible] روپے

مقام اشاعت
[illegible]

جلد ۲۵ - شمارہ ۲۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ رجون ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

نیاز کی یادیں

(۲)

نیاز کے کارناموں کو سمجھنے کے لیے سرسید کی تحریک کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ سرسید نے مولوی شبلی کو علامہ شبلی بنایا ہو یا نہ بنایا ہو، نیاز محمد خاں کو علامہ نیاز فتحپوری بنا دیا۔ سرسید کے اثر سے عقلیت، حقیقت پسندی، نئی مشرقیت اور علم و ادب سے ایک نیا شغف عام ہوا۔ عبدالقادر کے مخزن میں نئی نسل کے فکر و نظر کے سارے نقوش مل جاتے ہیں۔ اس نے اقبال کو سوز یقین دیا۔ یلدرم اور نیاز کو زبان دی۔ محی الدین احمد کو ابوالکلام آزاد بنایا، عبدالقادر کو مضمون نگاری سکھائی۔ نیاز کی تعلیم پرانے نہج پر ہوئی تھی مگر ان میں ایک باغیانہ روح تھی۔ باپ کے اثر سے وہ قدیم طرز فکر سے بیزار تھے۔ شباب انھیں رنگینی کی طرف کھینچتا تھا۔ چنانچہ ادب کی دنیا میں جو تجربے ہو رہے تھے وہ ان کے لیے باعث کشش بن گئے۔ ٹیگور کی گیتان جلی کی خنک موج نے ان کی فکر کو گلزار کر دیا اور وہ ادب لطیف اور انشائے لطیف کی طرف مائل ہو گئے۔ انھوں نے پہلے "نقاد" کے صفحات پر گل کاریاں کیں اور پھر "نگار" نکالا۔ کوئی اور ہوتا تو دو چار سال کے تلخ تجربوں کے بعد ہمت ہار بیٹھتا۔ مگر نیاز بڑے مضبوط ارادے کے آدمی تھے اور حالات سے ہار ماننا جانتے ہی نہیں تھے۔ کیوپڈ اور سائیکی، کہکشاں کا ایک ساغر، ایک شاعر کا انجام، آج ہمیں زیادہ متاثر نہیں کرتے، مگر اس زمانے میں یہ بڑے ہیجان انگیز ثابت ہوئے تھے۔ ان میں الفاظ سے ایک نیا عشق تھا اور الفاظ کا ایک نیا نشہ تھا، ادب کی ایک نئی پرستش تھی اور حسن کاری کی ایک نئی راہ۔ اس لیے نیاز کے افسانے، افسانے کم ہوتے تھے، ادب و انشا کا چمن زیادہ۔ ان میں اردو خاصی اردوئے معلیٰ ہوتی تھی، مگر بہر حال نئے خیالات و جذبات کے لیے نئی زبان استعمال کرنے کی کوشش تو قابل قدر کہی جا سکتی ہے۔ یہ اچھی نثر نہ تھی، مگر اس نے اچھی نثر کے لیے راستہ ضرور صاف کیا۔ ترجمے پر نیاز کو شروع سے قدرت تھی۔ اصطلاحوں کے ترجمے میں بھی بڑی

کے باوجود ایک حسن تھا۔ جنھیں کے لیے نابغہ اور ماسٹر پیس کے لیے اختراع کا لفظ عام فہم نہیں، اصل مفہوم کو تو اسیر کر لیتے ہیں۔ نیاز کا علم قاموسی تھا اور انھیں مذہبی معاملات میں عام خیالات سے ہٹ کر چلنا پسند تھا۔ اسی لیے باب الاستفسار کے ذریعے انھوں نے عام عقائد اور نظریات پر ضرب لگانی شروع کی جس کی قدامت پسند طبقے سے خاصی مخالفت ہوئی۔ نیاز نے اپنے دور میں دین اور شریعت میں فرق کیا تھا۔ آج یہ فرق خاصا واضح ہو گیا ہے مگر جس زمانے میں انھوں نے ان خیالات کا اظہار کیا اس زمانے میں اتنا واضح نہ تھا۔ اسی لیے ان کی زندگی کا خاصا حصہ مولویوں سے معرکہ آرائی میں گذرا۔ من و یزداں میں نیاز نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں ان میں خاصی روشن خیالی ہے۔ مگر مذہب کی روح اور انسانیت پر ایک ایمان بھی ملتا ہے۔ اس کا اسلوب نگارستان اور جمالستان یا مکاتیب نیاز کا سا نہیں، اچھی اور علمی نثر کا کامیاب اسلوب ہے۔ میرے نزدیک نیاز کی انشائے لطیف کی اہمیت تاریخی ہے، مگر من و یزداں، ایک مستقل قدر و قیمت رکھتی ہے۔ گویہ

اس شمارے میں

ضروری نہیں کہ من و یزداں کے تمام خیالات سے اتفاق کیا جائے۔

نیاز نے باب الاستفسار کے ذریعے سے اردو دنیا کو عالمی علوم اور افکار سے آشنا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس سلسلے میں ان کا دارومدار بہت کچھ انسائیکلوپیڈیا اور دوسرے حوالوں کی کتابوں پر ہوتا تھا۔ مگر وہ ان معلومات کو سلیقے سے اپنا لیتے تھے۔ بہرحال ان کے ذریعہ سے اردو داں طبقے کا افق ذہنی ضرور وسیع ہوا۔

ان کے مکاتیب دراصل مکاتیب کم ہیں، نثر پارے زیادہ۔ ان میں بڑی خوبصورت زبان ہے۔ فارسی اور اردو کے اشعار کا بڑا برمحل استعمال ہے اور موضوعات بڑے رنگین اور شوخ ہیں۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ یہ خط لکھے گئے بھیجے نہیں گئے اور جو خط بھیجنے کے لیے نہیں لکھا جاتا وہ خط نہیں انشائیہ ہوتا ہے۔

"نگار" نے اردو ادب کو جو کچھ دیا ہے اس کا اندازہ آسان نہیں ہے۔ اس کے ذریعے سے بہت سے نئے لکھنے والے ابھرے۔ بہت سے ادبی مسائل پر کھل کر بحث ہوئی۔ بہت سے علمی پہلو سامنے آئے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ شروع سے آخر تک یہ ایک علمی و ادبی رسالہ رہا۔ اس کے خاص نمبروں کے ذریعے بہت سے مشاہیر کی دوبارہ پرکھ ہوئی۔ اس میں انتہا پسندی بھی ہوئی مگر مجموعی طور پر ادب کو اس سے فائدہ پہنچا۔ مثلاً مومن کی عظمت کو نمایاں کرنے میں حسرت کے بعد نیاز کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ نیاز کی طرح کوئی تمام شعرا کے دیوانوں میں سے مومن کا انتخاب نہ کرے گا، مگر نیاز کی وجہ سے بھی مومن پر پہلے سے زیادہ توجہ ضرور کرے گا۔ نیاز نے عملی تنقید کے بھی بڑے اچھے نمونے پیش کیے۔ گو انھوں نے جوش و جگر کے ساتھ انصاف نہیں کیا مگر جوش اور جگر کی خامیوں پر جس طرح نظر ڈالی اس کی وجہ سے ان کی بے جا مداحی کم ضرور ہو گئی۔ تنقید کے اصولوں کی وضاحت کر کے بھی انھوں نے فکر کے لیے نئی راہیں نکالیں۔

ایک نقاد کی حیثیت سے نیاز کا کیا درجہ ہے؟ ان کی تنقید میں ایک دورنگی ہے۔ ایک طرف وہ نئے تنقیدی افکار سے متاثر ہیں اور دوسری طرف فن کے معاملے میں بہت کٹر ہیں۔ وہ تنقید کے اچھے خاصے معلم ہیں مگر ان کی عملی تنقید زیادہ تر محدود قسم کی ہے۔ اس میں بت شکنی کا جذبہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ اچھا نقاد نہ بت گر ہوتا ہے نہ بت شکن۔ وہ ادب کی روح کا نباض ہوتا ہے۔ جب وہ جمود یا تقلید دیکھتا ہے تو تجربے کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جب ادب کی دنیا میں [illegible] کا نظارہ کرتا ہے تو ایک تنظیم اور ترتیب پر زور دیتا ہے۔ وہ روایات کی قدر کرتا ہے مگر روایت پرست نہیں ہو سکتا۔ وہ تجربے سے ہمدردی رکھتا ہے مگر تجربے کی خاطر فن کا خون گوارا نہیں کر سکتا۔ نیاز کی فکر [illegible] عقلی تھی مگر ان کا فن کا تصور رومانی حسن کا تھا۔ وہ عقلیت پرست تھے مگر جذباتیت سے بلند نہیں ہو سکے۔ اس لیے تنقید میں [illegible] ان سے [illegible] نہیں ملتی۔ [illegible] کے سلسلے میں نیاز کی رائے کی بڑی اہمیت ہے۔ نئے ادب کے سلسلے میں وہ زیادہ سے زیادہ ایک اچھے نقیب کہے جا سکتے ہیں۔ بعض باتوں میں وہ سیموئل جانسن کی طرح ہیں۔

نیاز ان ادیبوں میں سے نہ تھے جن کی دلچسپی صرف علم و ادب تک ہو۔ حالات حاضرہ پر بھی وہ گہری نظر رکھتے تھے۔ ان سے آج کے ادیب بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ادب سے عشق، ادب کی خاطر ریاض، ادب کا ایک خاصا جامع تصور، فن کا احترام مگر تجربوں سے ہمدردی، گرد و پیش کے مسائل سے آگہی، آنے والے دن کے انقلابات میں زندگی اور انسانیت کے بنیادی حقائق پر اصرار، ایک شوخی اور زندہ دلی جسے حوادث بھی ختم نہ کر سکے، ایک ٹھوس علم اور ایک چلبلا قلم۔

اردو ادب کو نیاز نے اتنا کچھ دیا ہے کہ انھیں بھلایا نہ جا سکے گا۔ وہ ہمارے ادب کے محسنوں اور معماروں میں سے ہیں بلکہ ہم انھیں معمار اعظم کہہ سکتے ہیں۔

برطانی اسکولوں میں ہندی اردو اور گجراتی کی تعلیم

لندن۔ ۲ رجون۔ انڈین ورکرز ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک مہم چلائی جا رہی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انگلش اسکولوں میں ہندی، اردو اور گجراتی اختیاری مضامین کی حیثیت سے پڑھائی جائے۔

اس سلسلہ میں برمنگھم کی تعلیمی کمیٹی سے درخواست کی جانے والی ہے۔ ایسوسی ایشن کے سکریٹری جناب جوشی نے کہا "[illegible] بچے اپنے ثقافتی پس منظر کو بھولتے جا رہے ہیں اس لیے اسکولوں میں ان کو مادری زبانوں میں تعلیم دی جانی چاہیے۔"

(قومی آواز لکھنؤ)

گیا سے ایک نئے اخبار کا اجرا

حال ہی میں گیا (بہار) سے ایک نیا ہفتہ وار اخبار معین شاہد صاحب کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے جس میں حالات حاضرہ پر تبصرے اور تازہ خبریں ہوتی ہیں۔ چندہ سالانہ آٹھ روپے ہے اور فی اخبار دس پیسے۔ دفتر ہفتہ وار آدرش بیراگی گیا کے پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (ایک نامہ نگار)

محروم صاحب کے وطن عیسیٰ خیل (پاکستان) میں محروم لائبریری قائم کرنے کی تجویز

عیسیٰ خیل۔ ۱۳ مئی ۱۹۷۶ء یہاں محمد عبداللہ [illegible] نیازی کی زیر صدارت عزیز شہر کا ایک بھاری جلسہ منعقد ہوا جس میں متعدد مقررین نے اپنے ہم وطن نامور شاعر جناب تلوک چند محروم کو دلی خراج عقیدت پیش کیا۔

جلسہ میں تین اہم تجاویز پاس ہوئیں: (۱) جناب محروم کے [illegible] واقع [illegible] خیل میں محروم لائبریری قائم کی جائے۔ لائبریری میں سنگ مرمر کا کتبہ لگایا جائے جس پر محروم صاحب کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات اور مختصر حالات زندگی درج ہوں۔ (۲) شہر کے باہر [illegible] گیٹ پر محروم صاحب کی یاد میں ایک کتبہ لگایا جائے۔ (۳) شہر میں بزم محروم کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی جائے جس کے زیر اہتمام شہر میں اردو [illegible] کو فروغ دیا جائے۔

امیر حسن نورانی

حالی کے کلام پر ان کے ہم عصر کی منظوم تنقید

سید محمد مرتضےٰ یزدانی نے اپنے وطن میرٹھ سے ۱۸۸۷ء میں ماہنامہ "لسان الملک" جاری کیا تھا، یہ پورا رسالہ تو منظوم شایع ہوا تھا۔ یزدانی کے کلام اور ان کی بعض تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک خوش فکر شاعر اور ذی علم صاحب قلم تھے، ان کا دوسرا تخلص بیاں ہے، اردو اور فارسی، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

یزدانی کا تعلق اس گروہ سے تھا جو مولانا الطاف حسین حالی کی "اصلاحات شاعری" کے خلاف تھا، اسی لیے وہ حالی کی شاعری کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار نظم و نثر دونوں میں کرتے رہے، انھوں نے حالی کی مخالفت کا سبب اور اپنا مقصد بہت دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے:

"لسان الملک نے جب اقالیم قلوب کی تسخیر کے لیے سفر شروع کیا تھا اور اس کے کوس لمن الملکی" سے فصاحت و بلاغت کی صدا ڈنکے کی چوٹ پر آ رہی تھی اور ہیبت نظم کی صریر دلپذیر اصلاح قومی کے جرس بجا رہی تھی اس لیے اس کا فرض منصبی تھا کہ وہ راہ کو دشواریوں سے صاف اور راستہ کو خس و خار سے پاک کرتا چلے تاکہ آنے والوں کا ستھرا دامن کانٹوں میں نہ الجھے اور تیز رو قدم ٹھوکر نہ کھائے۔

تھوڑی دور چل کر دریافت ہوا کہ اس میدان میں ایک ہولناک ریگستان آتا ہے اور وہ سراب نمایاں کی طرح کارواں سے بچھڑے ہوئے پیاسوں کو بہکاتا ہے لوگ اسے "حالی کا کلام" کہتے ہیں اور دوڑے چلے جاتے ہیں، اس نے فوراً سحر البیان سے "سلی استاد" کا نقش کھینچ کر اس صحرا کی سرحد پر لگا دیا جہاں سے حالی کا طلسم شروع ہوتا تھا، اس طلسم کے نقش پر بعض بعض بزرگوں نے مناقشہ کیا اور رحم سے متاثر ہو کر حالی کو تا بہ سرحد پہنچنے لگے، چند بزرگان سے ان کا بھی شکر گزار ہے کیونکہ یہ بھی "اصلاح بین" کی تحریک تھی اور لسان الملک کبھی یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے جو کچھ کیا وہ بھی اصلاح قوم کا تقاضا تھا، دونوں کی مرجع نیکی و نیکوئی تھا (لسان الملک جنوری ۱۸۸۸ء نمبر جلد ۲ صفحہ ۹)

اس کے بعد ایک منظوم حکایت بطور تمثیل فارسی میں لکھی جس میں حالی پر چوٹیں کی ہیں، اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ حالی نے جو رنگ اختیار کیا اس میں کہیں کہیں "خامی" کے دھبے نظر آتے ہیں، اس پر بھی وہی رنگ چڑھانا چاہیے کہ دورنگی کا نشان مٹے اور ایک رنگی کا جوبن ابھرے"۔ (صفحہ ۱، نمبر ۲ جلد ۲)

اس سے قبل کے شماروں میں یزدانی "سلی استاد" اور مولوی الطاف حسین حالی کی مثنوی حقوق اولاد کے عنوان سے حالی کے کلام پر تنقید کر چکے تھے، اور اس طرح کہ پہلے حالی کا ایک شعر نقل کیا پھر خود اس شعر کی ادبی و لغوی خامیوں پر اپنے نقطۂ نظر سے منظوم تنقید کی، لیکن سنجیدگی کے ساتھ ہی اکثر جذبات سے مغلوب ہو کر تنقیص سے بھی گریز نہیں کیا تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یزدانی کی نکتہ چینی یا نیم تنقیدی کاوش بے جان ہے۔ ذاتی حملوں سے قطع نظر اس میں بہت سی مفید باتیں آگئی ہیں، جس کا اندازہ پڑھنے کے بعد بخوبی ہو سکے گا۔ پہلے حالی کا ایک شعر درج ہے پھر اس پر "سلی استاد" کے عنوان سے یزدانی کی منظوم تنقید ہے، اسی ترتیب سے لسان الملک میں یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

حالی

لاڈلا بیٹا تھا کہ ماں باپ کا
جان ماں کی اور ایماں باپ کا

"سلی استاد"

واہ واہ اے حالی پاکیزہ خصال　　کیا اسی کو کہتے ہیں حسن مقال
یاد رکھا غیر کے ماں باپ کو　　اپنے صانع کو نہ اپنے آپ کو
جس نے منہ میں آپ کے کھولی زباں　　بولتی ہے ان گنت بولی زباں
گوشت کے ٹکڑے کو دیں گویائیاں　　کھلتی نہیں گمرہی کو نظر آئیاں
نطق بخشا گوہر افشاں کر دیا　　آپ کا منہ سو جوہوں سے بھر دیا
ایک مدت تک کھلایا خون حیض　　آخر اپنا رنگ لایا خون حیض
رحم کی ظلمت میں پالے تم جب جنیں　　جانتے تھے یہ جہاں اور یہ زمیں
یہ پتا نہ جانتی تھی کب زباں　　کیا پتے چھوڑتی ہے اب زباں
کس بری حالت سے حالی بن گئے　　سیکڑوں حالی سوالی بن گئے
خاک سے انساں بنایا آپ کو　　دیکھئے کیا کر دکھایا آپ کو
شاہ جہاں آباد میں نوبت رکھی　　اس نے پالی مت کی کیا کیا پت رکھی
نعمتیں دیتا رہا ہے حق سدا　　تم بھی کرتے کوئی اس کا حق ادا
دم فصاحت میں تو بھرا آپ نے　　اس کو کوئی بھی اتارا آپ نے
مثنوی میں بھی ہے اگر تو یہ حسن　　[illegible]
ڈاکٹر کی طبیعت نرم ہو　　جو گئی قدرت سے بھی گرم ہو
[illegible]　　تا نہ ہو ایصال رہیں کچھ بھی جہل
آپ نے شعرائے ہند کی مثنوی　　ہم اسے کہتے ہیں مثنوی مثنوی

لکھنا تھا جسے بسم اللہ پہ خط
واہ حضرت بسمل بسم اللہ خط

حالی

بال بیکا اس کا ہوتا تھا اگر　　دونوں رہ جاتے تھے بھیجے دل کو تھام کر

"سیلی استاد"

شعر اچھا ہے قباحت کچھ نہیں   لیکن انداز فصاحت کچھ نہیں
اہل معنی جانتے ہیں کیا لطیف   قافیہ جس نظم میں ہو بے ردیف

"حالی"

جانتے سب تھے گھر میں ہے دولت بہت   لکھنے پڑھنے کی نہیں حاجت بہت

"سیلی استاد"

آپ خود صرافِ نحو و صرف ہیں   پاس پاس اک جنس کے دو حرف ہیں
کاٹ ہے، تو لیجئے گا آپ ایسا ثقیل   اس کو اہل علم کہتے ہیں ثقیل
دیکھئے تو شعر خاصا ہے مگر   رہ گئی ہے اس میں تھوڑی سی کسر
اس گرانی سے ہوا محجوب شعر   اس طرح سے کہتے تو ہوتا خوب شعر

"اصلاح بر شعر حالی"

جانتے سب تھے گھر میں ہے دولت بھری   لکھنے پڑھنے کی نہیں حاجت ذری

"حالی"

حق تو ان کے اس سے کیا ہوتے ادا   اور ناراض ان کو وہ رکھنے لگا

"سیلی استاد"

قافیہ کی تنگ نہیں گو نادرست   کہتے ہیں ارباب فن اس کو بھی سست
قافیہ کا حسن ہے حسن ردی   کیجئے تطبیق ردی کی پیروی
ان ضمائر سے سخن کا ناس ہے   "ان کے" "اس سے" "ان کو وہ" گویا اس ہے
کیا ضمیروں سے ہوا مصرع رکیک   اس طرح کہتے تو ہوتا ٹھیک ٹھیک

"اصلاح بر شعر حالی"

حق تو کیا ماں باپ کے ہوتے ادا   اور ناراض ان کو وہ رکھنے لگا
نام دلی میں بہت مشہور ہے   اور ابھی حضرت سے دلی دور ہے

"حالی"

گو نہ مطلق آدمیت اس میں تھی   پر جھلکتی قابلیت اس میں تھی

"سیلی استاد"

دور از یں حال تو کیا ہو گیا   پھر وہی دونوں میں ایطا ہو گیا
رنگ روپ ہی نظم کا بے رنگ ہے   قافیہ حضرت کا بالکل تنگ ہے

"حالی"

چڑھ رہا تھا اس پہ صحبت کا رنگ
تک رہا تھا روشن آئینہ کو زنگ

"سیلی استاد"

اور تو کوئی نہیں ہے اس میں عیب   صحبت بد سے ہے یہ صحبت کا عیب
کھب گیا روشن بھی لیکن مرکی با   صاف گو ہو از مصرع صاف تھا
یہ فصاحت کا کوئی اسلوب ہے   چڑھ رہا تھا اس پہ کتنا خوب ہے
دیکھنے میں گو نہیں فرق عظیم   اس کی دست نگاہ داد حیدران سلیم

"حالی"

دیتے تھے بہر تشفی داد اگر
مسرت دردہ تم اٹھاتے تھے مگر

"سیلی استاد"

لفظ رہ رو تم کا بھی مشکوک ہے   کاٹ چھانٹ اس طرح کی متروک ہے

"حالی"

گرمی اور سردی میں گر کپڑے نہیں   ہم پہناتے تھے تو کرتے تھے خفیف

"سیلی استاد"

دیکھئے پھر رائیگاں ہے قافیہ   "قند" کا، اور "تم" کا، کہاں ہے قافیہ

"حالی"

بھوک میں گر دیکھتے تھے بے قرار   دودھ دیتے تم کو پلاتے بار بار

"سیلی استاد"

دودھ پینے سے تو ماں ہے منصف   اور یہاں ایما ہے دونوں کی طرف
یہ گھڑت بالکل ہے بیہودہ بیاں   باپ کے چھاتی تھی ہے دودھ کہاں
اور اگر کہئے کہ انداز سخن   ابتدا سے آ رہا ہے یہ چلن
کھلنے لگا چکر کوئی کون میاں   باپ چھٹ ماں کا بھی اور بیان
مصرع حالی میں کچھ خوبی نہیں   کیونکہ بندش میں خوش اسلوبی نہیں
حالی کی تعقید لفظی کس طرح   ہم اگر کہتے تو کہتے اس طرح

"اصلاح بر اشعار حالی"

بھوک میں گر دیکھتے تھے بیقرار   دودھ ماں دیتی تھی تم کو بار بار

"حالی"

تم کو کچھ تکلیف ہوتی تھی اگر   خود بخود تھی دل کو ہو جاتی خبر

"سیلی استاد"

خود بخود تھی دل کو ہو جاتی خبر   غور کیجئے اس کی بندش دیکھ کر
اس طرح مشتاق لکھتے ہیں کہیں   دیکھئے آورد ہے آمد نہیں
جستی الفاظ کا رکھنا خیال   اور نہ کچھ بیش دیس کی دیکھ بھال
آپ کا ذہن اس سے کیا انجان تھا   یوں اگر کہتے تو کیا نقصان تھا

"اصلاح بر شعر حالی"

تم کو کچھ تکلیف ہوتی تھی اگر   خود بخود ہو جاتی تھی دل کو خبر

"حالی"

اور بری صورت سے تھے تم بھاگتے
دودھ ہر گز غیر کا پیتے نہ تھے

"سیلی استاد"

اور بری کیا، اس کو کہئے کیا کہیں؟   اور بری کہنے سے حضرت عیب ہیں
بھاگنا بھی گو بہت اچھا نہیں   دودھ پینے پہ مسلہ کچھ بھی نہیں
گھٹنیوں بھی جو ابھی چلتا نہیں   پھر وہ بچہ بھاگ سکتا ہے کہیں!
قافیہ کی اڑ گئی پھر آب و تاب   کیسی بیچارے کی ہے مٹی خراب
رہ گیا حسن فصاحت دور دور   اس قدر ہندی کی چندی کیا ضرور
اور بری صورت ہے کیا صورت بری   اجنبی کے ہوتے تھا اور بری
ہندی اور بھاشا کی پیٹی کیوں لکیر   کیوں نکالا آپ نے اردو کا سیر
ترک کیجئے یہ گنواری بولیاں
ہوتی ہے بدنام دلی کی زباں

(باقی صفحہ ۵)

غزلیں

اشفاق احمد خلجی

بڑھتے بڑھتے شعلہ آخر پہنچا اپنے دامن تک
آنچ کسی کے حسن کی اب محدود نہیں ہے چلمن تک

آتشِ گل سے جلنے لگا ہے اب تو صبا کا آنچل بھی
اپنی بربادی بھی کہاں ہے گلشن اور نشیمن تک

دھواں دھواں ہو جاتی ہیں اک تن پہ برکھا کی بوندیں بھی
آگ لگانے لگتا ہے بسنت یہ موسم ساون تک

گھر سے دور اک گلشن کے نیچے تنہا اس ویرانے میں
غم کی راکھ میں دب جاتی ہے اکثر دل کی دھڑکن تک

کیسی ہے یہ کتنی بڑی ہے دنیا ہم کو کیا معلوم
اپنی تو بس دوڑ رہی ہے تیرے پیار کے آنگن تک

ادنیٰ، اعلیٰ سبھی کا رشتہ اس دنیا میں رہتا ہے
سانسوں کی جھنکار، زلفوں، آوازوں کی گونجن تک

تم نے اس کے پیار کی آتش کب دیکھی ہے اے اشفاق
پانی پانی ہو جاتا ہے سامنے جس کے دشمن تک

بیجے کرشن چودھری

خوگرِ طوفاں کب گرویدۂ ساحل ہوا؟ — رہ نوردِ شوق کب آسودۂ منزل ہوا؟
صرف تیرے حسن سے افسانہ رنگیں نہیں — اس میں میرا قطرۂ خونِ جگر شامل ہوا
کس لیے دیر و حرم جا کر جھکاؤں اپنا سر — کب مرے سجدوں کو کم یہ آستاں حاصل ہوا
کب نگاہِ شوق کو تابِ جمالِ یار ہے — میری راہِ دید میں خود حسن ہی حائل ہوا
بعد مدت ہو گئی مجھ کو سعادت یہ نصیب — درد کے رکھنے کے قابل آج یہ دل ہوا
کچھ ہوئے سرشار اور کچھ تشنہ لب آخر رہے — اس قدر اندھیر کیوں اے ساقیٔ محفل ہوا
پیار کا ڈھونڈا سہارا عمر بھر میں نے حبیب — زندگی کا یہ نہیں حاصل تو کیا حاصل ہوا

نظر برنی

حسن کو کامیاب ہونے دو — عشق پر نت نئے عتاب ہونے دو
عشق کا سدباب ہونے دو — یہ حقیقت بھی خواب ہونے دو
ہے ابھی ہم میں تابِ نظارہ — حسن کو بے نقاب ہونے دو
آج کی شب تو ان کی محفل میں — عشق کو باریاب ہونے دو
اُف یہ افسردگیٔ نظمِ حیات — اک نیا انقلاب ہونے دو
میں بلا نوش ہوں ازل ہی سے — میری مستی خراب ہونے دو
ہے نظر کو تلاشِ نورِ سحر — ان کو پھر بے حجاب ہونے دو

مشتاق احمد خاں عادل ادیب

دل میں الفت جوان ہو کے رہی — بیکسی کا نشان ہو کے رہی
کیا خبر کیوں ترے شباب کے ساتھ — ہر تمنا جوان ہو کے رہی
ان کی نظریں جو پھر گئیں مجھ سے — زندگی بدگمان ہو کے رہی
میری چپ نے بتا دیا سب کچھ — بے زبانی زبان ہو کے رہی

سرد مہری سے ان کی اے عادل
گرمیٔ دل جوان ہو کے رہی

مطالعات

مناظر عاشق ہرگانوی

"ہماری زبان" کے ۸ر دسمبر ۱۹۶۳ء کے شمارہ میں جناب نادم سیتاپوری صاحب کا مضمون "مطالعات" شائع ہوا ہے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کی کتاب فسانۂ لطافت بار کا تعارف کراتے ہوئے نادم صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں "اس زمانے میں اکثر کتابوں کے دو دو نام رکھنے کا عام رواج تھا۔ خود سرشار کے ناول "جام سرشار" کا نام پہلے "فسانۂ جدید" تجویز کیا گیا تھا۔ "جام سرشار" بعد میں ہوا۔"

میرے پیش نظر پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ایک مزاحیہ ناول "ہشو" کا ایک ناقص الطرفین نسخہ ہے۔ اس کتاب کے ٹائٹل پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے:۔

ہشو ناول

پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار لکھنوی

مصنف ۱۔ فسانۂ آزاد، ۲۔ جام سرشار، ۳۔ سیر کہسار، ۴۔ فسانۂ جدید، ۵۔ کامنی، ۶۔ شمس الضحیٰ، ۷۔ مثنوی تحفۂ سرشار، ۸۔ شاخ نبات
مترجم ۹۔ الف لیلیٰ، ۱۰۔ خدائی فوجدار، ۱۱۔ اعمال، ۱۲۔ مراسلۂ فرید، ۱۳۔ تاریخ ہند۔

(بعد کا حصہ بدرنگ اور پھٹا ہوا ہے اس لیے سنہ اشاعت اور مطبع کا پتہ نہیں چلتا)

"ہشو" ناول میں ۹۶ صفحات ہیں، آٹھ (۸) دورہ (باب) پر ختم ہوتا ہے۔ ہر باب میں عنوان ہے اور عنوان کے نیچے ایک شعر ہے مثلاً پہلے دورہ "تب کی ... تک" کا عنوان ہے۔ شعر:

... سے کچھ غرض ہے نہ حاجت ہے تاڑی کی — ساقی کو جھونک دو گلاس بھٹی میں تاڑی کی

تیسرا دورہ "کلواری خانہ اور تین کانا"۔ شعر:

ادھر بمبچخ ادھر چوبی ادھر پیار اُدھر ڈنڈا — سبھی کلوار خانے میں ہے کیسی اٹھی یہ دنگا

چوتھا دورہ "ہشو کا دار"۔ شعر:

حویلی میں کھٹکے باجی یہ کھوڑے — کئی اینٹیں ہوئے کڑیوں کے کوڑے

پانچواں دورہ "خوفِ آب"۔ شعر:

کریں گے پیارے سے پیار اپنے — کسی کے بابا کا ڈر نہیں ہے

سرورق کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ "جام سرشار" اور "فسانۂ جدید" سرشار کی دو مختلف کتابیں ہیں۔

اپنے اسی مضمون "مطالعات" میں نادم صاحب لکھتے ہیں "سرشار کی تصانیف میں "شمس الضحیٰ" کون سی کتاب ہے؟ کم از کم میری نظر سے ابھی تک اس کا کوئی جواب تلاش نہیں کر سکی لیکن میر غلام حسین قدر بلگرامی (تلمیذ غالب) کے کلیات (کلیات قدر بلگرامی مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ: ۱۸۹۰ء صفحہ ۳۵۰) میں ایک قطعہ تاریخ اس سرنامے کے تحت ملتا ہے۔"

"ہشو" کے سرورق سے سرشار کی کتاب "شمس الضحیٰ" کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ کتاب میری نظر سے گذر چکی ہے۔ ۱۸۸۰ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی اور اس میں جغرافیہ طبعی سے متعلق مضامین تھے۔

صفحہ ۴ سے آگے

"حالی"

کرتے تھے بیاؤں کی جا جا منتیں   مانتے تھے نت ہزاروں منتیں

"سیلی استاد"

کھوسلے گر دیدۂ تحقیق کو   منت اور "منت" کو ٹھہراتے نہ دو
اصل تحقیق سخن سے دیکھئے   مادّہ دونوں کا من ہے دیکھئے
عام کے اقوال پہ رکھا مدار   عام کے اقوال کا کیا اعتبار
بلبل دہلی کہاتے ہیں جناب   بے تکی ہانکیں تکاتے ہیں جناب
چاہئے تھا تم کو منت ماننا   معنیٔ منت پذیری جانتا
لفظ نت کا بھی تو ہے اشکل ہوا   نت نئے کے ساتھ مستعمل ہوا
روز مرہ گرچہ گستردہ ہو گیا   ہاں مگر انجیاد بندہ ہو گیا
دھیان جدت کا نہ رکھا آپ نے   نت بھی لکھا تک بھی لکھا آپ نے
دیکھئے حضرت تگا کر دور میں   ہو گئی کیا کیا زباں کی چھانبین
چھوڑ دیجئے یہ پرانی بول چال   آئے اس باسی کڑھی میں کیوں ابال

چوک جائیں چال سیانے کی طرح
اب چلیں سیکھے پرانے کی طرح

"حالی"

تم نے آخر جب نہ کچھ پڑھ کر دیا
دے کے کچھ دونوں کو رخصت کر دیا

"سیلی استاد"

مصرع اول ذرا سمجھائیے   اس کی ترکیب اور اس کا مطلب ہے
یہاں کھپت الفاظ کی کھلتی نہیں   ٹک ٹکی کیا جب کہ یہ معنی نہیں
دھر گھسیٹا روں میں گستاخی معاف   اس طرح تھا روزمرہ صاف صاف

"اصلاح بر شعر حالی"

تم نے آخر جب نہ کچھ لکھا پڑھا
لے کے کچھ دونوں کی مسند دی بڑھا

"حالی"

کچھ بہت درکار زیور سے نہ نقد
ہوتے اک شربت کے پیالے پر ہیں عقد

"سیلی استاد"

ہے یہ زور اپنے تکلف آپ کا
ورنہ ہے بیجا تصرف آپ کا
جانتے ہیں سب پیالہ فارسی
ہاتھ کے کنگن کو کیا ہے آرسی
ہے نہ برتے پر پیالہ باندھیے
اس پیالے کو نہ پالا باندھیے

کس قدر اغلاط کی افراط ہے   اے عروض طبع یہ استغاثہ ہے

واہ اس اعجاز نو کی کون دے
آپ کا ٹوٹا پیالہ کون دے

"حالی"

دیکھئے آئی تھی خلقت جھوم جھوم
دور تک اس بیاہ کی پہونچی تھی دھوم

"سیلی استاد"

پھٹی ہے یا پہونچی ہے کہیے دھوم   اور برائے بیت ہے یہاں جھوم جھوم
اس قدر بیجئے نہ غرہ دیکھئے   صاف کہیے روزمرہ دیکھئے
کیا برستا مصرع ثانی سے نور   دور تک کی جائے ہوتا دور دور

"حالی"

سر پہ لینے اپنے گھر کا بوجھ ٹک
باپ کو فکروں سے کر دیتے تھے ٹک

"سیلی استاد"

اے ہمارے بھولے بھالے دیکھ لو
شاہ جہاں آباد والو دیکھ لو
کیوں نہ جو بن شاعری کا خاک ہو
بڑھیں جب اتری ہوئی پوشاک ہو
تھوک دی تھیں جو سن کر جو گٹھلیاں
پھر وہی حضرت نے منہ میں رکھ لیاں
کہیے اب اہل زباں ہیں کیا رہی
واہ حضرت ٹک کی بھی اچھی کہی

(ماخوذ از لسان الملک جلد ۱ نمبر ۵، ۱۸۸۶ء)

اس طرح یزدانی نے لسان الملک کے متعدد شماروں میں حالی کے کلام پر منظوم تنقید کا سلسلہ جاری رکھا۔ میرے پاس لسان الملک کا سب سے پہلا شمارہ موجود ہے اور اس کے علاوہ ۱۸۸۵–۱۸۸۷ء کے متفرق شمارے بھی ہیں۔ ان کے اندر اس سلسلے کے جتنے اشعار ہیں وہ لکھے گئے ہیں، اگر مکمل فائل موجود ہوتی تو اس سے اندازہ ہو جاتا کہ یہ دلچسپ سلسلہ کب تک جاری رہا اور حالی کی اور کون نظمیں ہیں جن پر یزدانی نے اپنے خاص انداز میں تنقید اور تنقیص کی کوشش کی ہے۔

مراسلات

ریڈیو کا نیا اردو پروگرام

نہ جانے یہ آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ پبلسٹی کی کمزوری تھی یا اردو داں طبقے کی بے حسی کہ ۱۵ رمئی کو جب اردو کے ۹ گھنٹے روزانہ اردو کا ایک نیا پروگرام شروع ہوا تو نہ تو اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد اردو اخباروں میں اس کا کوئی ذکر آیا۔ حالانکہ یہی وہ مطالبہ تھا جو ہر اردو کانفرنس، ہر اردو رسالے اور اخبار کے اداریے میں بار بار دہرایا جاتا رہا تھا۔ اب صبح ۸½ سے ۱۰ بجے دن تک پھر ۲ سے ۵ بجے سہ پہر تک پھر ۸½ بجے شب سے ½ ۱۲ بجے رات تک اردو کے پروگرام شارٹ ویو پر نشر کیے جاتے ہیں جو سارے ہندوستان میں سنے جاسکتے ہیں۔ ویسے یہی غریب اردو کی کچھ تو اشک شوئی ہوئی۔ ہم وزیر نشریات جناب راج بہادر کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اردو کا یہ نیا کل ہند نوعیت کا پروگرام دلّی اسٹیشن سے نشر کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں پہلی بات زبان کے متعلق ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اردو والے جب سنسکرت آمیز مصنوعی ہندی پر معترض ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان کو فارسی یا عربی آمیز دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ آج ہندوستان کے اردو رسالوں اور اخباروں میں نثر و نظم کے ذریعہ ایسی زبان رواج پا رہی ہے جو سیدھی سادی ہے اور جسے دوسری زبانوں کے الفاظ کے (خواہ وہ ہندی ہی کے ہوں) قبول کرنے میں کوئی تامل بھی نہیں ہے ہم اس زبان کی تقلید کی طرف نہیں جا رہے ہیں جو ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں تیار کی جا رہی ہے جس میں زیادہ سے زیادہ فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش مستحسن کوشش سمجھی جاتی ہے۔ اس بنا پر آل انڈیا ریڈیو کو اپنے ۹ گھنٹے کے اردو پروگرام میں اپنے ملک کی اردو کے مزاج کا لحاظ رکھنا چاہیے زبان سہل جو سلیس ہو، با محاورہ ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کبھی کبھی بعض علمی موضوعات کی خاطر اصطلاحات کی بدولت زبان بوجھل ہو جائے۔ پروگرام کے اعلانوں میں بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ اس نئے اردو پروگرام سے مستفید ہونے والے وہ اردو داں ہوں گے جو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ پروگرام مرتب کرنے میں مختلف علاقوں کے مصنفین اور شعراء اور فنکاروں کو جگہ دی جائے مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے تقریروں، ڈراما، فیچر، نظموں اور موسیقی کے خاص طور پر تیار کیے ہوئے ریکارڈ منگوائے جائیں، اور انھیں جمع کر کے مرکزی اسٹیشن سے یہ اردو پروگرام مرتب کر کے نشر کیا جائے۔ اس طرح حسب ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

(۱) فنکاروں کا انتخاب زیادہ بڑے حلقے سے ممکن ہو سکے گا جس سے معیاری چیزیں حاصل ہو سکیں گی۔

(۲) پروگرام میں زبان اور مزاج کا تنوع پیدا ہوگا۔

(۳) مختلف علاقوں کے فنکاروں اور قلمکاروں کو اپنی تخلیقات پیش کرنے کا موقع ملے گا۔

(۴) قومی یکجہتی پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔

(۵) مختلف علاقوں کے اردو داں طبقے کو اس کی شکایت نہیں رہے گی کہ ان کا علاقہ نظر انداز ہو رہا ہے۔

امید کہ ان دونوں تجویزوں پر قارئین بھی اظہار خیال فرمائیں گے اور ریڈیو کے ارباب حل و عقد بھی غور کریں گے۔

(سید شہاب الدین دسنوی)

ایک استفسار کا جواب

۱۵ اپریل کے "ہماری زبان" میں جناب انصار اللہ نظر کا ایک استفسار "فائق" کے بارے میں نظر سے گزرا، "انشاء اللہ خاں انشاء کی جس "فائق" سے نوک جھونک ہے" اور جس کا تذکرہ مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں کیا ہے، وہ یہ "فائق" نہیں ہیں جن کا مصنفہ نسخہ حضرت نظر کو دستیاب ہوا ہے آب حیات میں جن "فائق" کا تذکرہ ہے، ان کا نام مرزا عبد القادر بیگ خلف مرزا احمد بیگ قوم مغل ہے" اسلم پرویز نے اپنی مولفہ کتاب "انشاء اللہ خاں انشاء" میں تفصیل سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ "وہ ص ۱۰۶ پر "انشاء اور فائق" کے زیر عنوان رقمطراز ہیں۔

"دلی میں انشاء کی دوسری جھڑپ مرزا عبد القادر بیگ فائق سے ہوئی۔ فائق نے کسی جگہ ضرورت شعری کی بنا پر "بد" کو مشدد "بدّ" باندھ دیا۔ انشاء نے جواباً ایک فارسی قطعہ اس کی ہجو میں لکھا جس میں التزام یہ کیا کہ بعض الفاظ کو طنزاً مشدد کر دیا۔ ص ۱۱۰"

سخن الشعراء میں نساخ نے ان کے بارے میں لکھا ہے،

"فائق تخلص مرزا عبد القادر بیگ دہلوی خلف مرزا احمد بیگ قوم مغل اصفہانی ملازم نواب بہادر جنگ والی بہادر گڑھ" ص ۳۵۶

بہرحال اس تاریخی حوالے سے یہ بات تو بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ کتاب مذکور اصول انشاء و اقسام نثر کے مصنف فائق اور مرزا عبد القادر بیگ فائق دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں۔

(ریاض الحسن)

اردو کے کئی اخباروں میں اس کا اعلان ہو چکا ہے اور اس پر اداریے بھی نکل چکے ہیں۔ (ادارہ)

یہ فارسی اشعار اور مصرعے کن شاعروں کے نتیجۂ فکر ہیں

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را ۔ تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

باز می خواہم ز سر گیرم رہِ بیہودہ را

از ساز و برگ قافلۂ بیخوداں مپرس ۔ بے نالہ می رود جرس کاروانِ ما

چو تخم اشک بکلفت سرشتہ اند مرا ۔ بہ ناامیدی جاوید کشتہ اند مرا
ز آہ بے اثرم داغ خام کاری خویش ۔ ز رگ گشتہ کہ نداریم برشتہ اند مرا

اگر دستے کنم پیدا نمی یابم گریباں را

اگر نہ دیدی تپیدن دل شنیدنی بود نالہ ما

کہ گفتہ بود کہ در دش دوا پذیر مبادا

خارہا از اثر گرمی رفتارم سوخت ۔ منتے بر قدمم رہرو انست مرا

می کشند شعلہ سرے از دل صد پارۂ ما ۔ جوش آتش بود امروز در فوارۂ ما

بہ تو اصحاب معنی را برنگ اصحاب صورت را

کہ تنہا بہ مستند و باغباں تنہا

دماغ بزم فلک و دل بیابے مہرتاباں ۔ جگر بہ حرت زخم دل کجا دماغ کجا

عجب گیرندہ دامے بود در عاشق ربائی ۔ نگاہ آشنائے یار پیش از آشنائی ہا

چہ دست می بری اے تیغ عشق اگر داد دست ۔ بسر زبان ملامت گرِ زلیخا را

خود رفتہ ایم و گنج مزارے گرفتہ ایم ۔ تا بار دوش کس نشود استخوان ما

(م)

کچھ عبد الماجد صاحب کے مراسلے کے سلسلے میں

میں نے ہماری زبان کے ۲۲ اپریل کے شمارے سے عالی جناب سید فضل المتین کی عبارت ۔ سے چار جملے نقل کر کے کہا تھا کہ ایک محقق اور ادیب کو غیر محتاط نہیں ہونا چاہیے جس پر مولوی عبد الماجد صاحب دریا آبادی نے صدق کے شمارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو ان چاروں میں زبان کی کوئی بھی غلطی نظر نہ آئی ۔ جملے حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابھی حال میں (۲) کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط (۳) ایک اہم ترین (۴) موثوقِ کاوش مولوی عبد الماجد صاحب کی شخصیت اور آپ کے تبحر علم کو دنگاہ رکھ کر مجھے لب کشائی کی جرأت نہیں کرنا چاہیے لیکن اپنے شکوک دور کرنے کے سلسلے میں مجھے عرض مدعا کے بغیر نہیں بنتی۔

(۱) "ابھی حال میں" میں مولوی صاحب قبلہ کے خیال میں تاکید میں زور پیدا کرنے کے لیے "ابھی" کا استعمال کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک "ابھی" اب ہی کا مرکب ہے یعنی اب پر ہی بطور حصر لایا گیا ہے۔ متذکرہ بالا جملے میں حال پر حصر کا کلمہ لا کر زور پیدا ہو سکتا تھا اب پر حصر کر کے حال کو اس کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہیے تھا۔ میرے خیال میں "حال ہی میں" لکھ کر مطلب حل کیا جانا چاہیے تھا۔

(۲) "کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط" اس جملے میں سے مولوی صاحب قبلہ نے پایہ پر علامت اضافت حذف کر کے "اعلیٰ پایہ" بنا کر جملے کو بے عیب بنا دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پایہ سہوِ کتابت سے لکھا گیا ہو لیکن اعتراض کو باطل کرنے کے لیے لفظ میں تخفیف کوئی اچھی بات نہیں۔ امکان ہے کہ مولوی صاحب قبلہ نے علامت اضافت کو تعجیل میں صرفِ نظر کر دیا ہو۔

(۳) "ایک اہم ترین" مولوی صاحب قبلہ کے خیال میں اہم پر ترین کا اضافہ محاورہ اور روزمرہ میں بالکل جائز ہے ہی نہیں بلکہ اہم تر اور اہم ترین دونوں بالکل درست ہیں۔ مؤلفین قاموس "الاغلاط" نے بھی لکھا ہے کہ "اہم" افعل التفضیل کا صیغہ یعنی مشتق ہے۔ بہت مشکل اردو میں بلا تشدید مستعمل ہے بعض اہم کے معنی مشکل لیکر نہایت کا لفظ بڑھا دیتے ہیں یعنی "یہ نہایت اہم کام ہے" نیز "سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے" لکھتے اور لکھتے ہیں۔ "اہم" کو مطلب دیکھے اعتراض "ایک اہم ترین" پر ہے "افعل التفضیل" یعنی SUPERLATIVE صیغے پر "ایک" کا صیغہ بے معنی ہے کیونکہ SUPERLATIVE بجائے خود ایک ہی ذات ہوتی ہے۔

(۴) "موثوقِ کاوش" مولوی صاحب قبلہ کا فرمان ہے کہ یہ غلطی تو اندھی کچھ میں نہ آئی۔ اگر مولوی صاحب قبلہ تہذیب جدید کے شیدائی ہوتے تو میں بھی شاید ان کا ہم نوا ہو جاتا جس کے "ذہن میں روشنی کے سائے" ایسے جملے بھی دیکھے ہیں کہ تو جہاں تک میری "نکتہ آفرینی" کا تعلق تھا میرے خیال میں کاوید ن کا حاصل مصدر کاوش موثوق کی نہیں معتبر کی موجودگی محسوس کرتا ہے کاوش بمعنی کھود کریدنا یا تلاش کرنا مستعمل ہے اور موثوق خود محتاج مصدر ہے۔

مولوی صاحب قبلہ کا یہ حربۂ نفی کا استعمال لغت و صرف و نحو کے ہر قاعدہ پر حاکم ہے۔ مجھے نہیں معلوم بہ سر و چشم تسلیم ہے لیکن اس ایک ہی نفی سے غالب کو فصحا کے زمرے سے باہر کر دینا ہے۔

"ہیچ جا گفتہ آزادی نہ ہوا" وجہ یہی ہے کہ غالب کے بعد کسی نے ہوا کسی فصیح نے استعمال کرنے کی زحمت نہ اٹھائی۔ خیر یہ تو جملۂ معترضہ ہے ورنہ میں نے اپنے شکوک کی تشریح کر دی ہے۔ اور دوسری اکتابی زبان ہے اس لیے "اہل زبان" بننے والے دوستوں سے خواہ مخواہ الجھنا نہیں چاہتا۔ بھلا ہاتھیوں سے گنے کون کھا سکتا ہے اس پر بھی اپنے علمی مذاق کی زندگی کے لیے مولوی صاحب قبلہ کے بصیرت افروز جواب سے یقیناً استفادہ کروں گا۔

(آغا خلش کاشمیری)

اردو ہندی کی شیلی نہیں ہے

ہندی علماء کا اعتراف

الٰہ آباد ۲۲ مئی یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی اعانت سے الٰہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ ہندی نے حال ہی میں ہندی کے سرکاری زبان ہونے کی نوعیت پر غور کرنے کے لیے ملک کی قومی زبانوں کے علماء کی جو کانفرنس منعقد کی تھی اس میں اصلاً یہ مسئلہ زیر غور آیا کہ دستور ہند کی دفعہ ۳۵۱ میں راج بھاشا کے جس روپ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی تشکیل میں ہندوستان کی تیرہ چودہ زبانیں کس طرح معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ کئی روز تک صبح اور شام کے اجلاسوں میں مختلف زبانوں کے نقطۂ نظر سے اس ہندی کی تشکیل کے مسائل پر غور کیا گیا جسے دستور ہند نے سرکاری زبان قرار دیا ہے۔ شریک ہونے والے علماء میں خاص طور پر تامل، تلگو، ملیالم، گجراتی، مرہٹی، بنگالی، اردو اور انگریزی کے نمائندوں نے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر آزادانہ بعض اہم خیالات کا اظہار کیا۔ بحث کے دوران عام طور پر جو باتیں واضح ہوئیں وہ یہ تھیں کہ دستور ہند کے احترام میں ہندی کو راج بھاشا تسلیم کرنا تمام ہندوستانیوں کا فرض ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے مختلف علاقائی زبانوں کی ترقی میں رکاوٹ پڑے یا انھیں ہندی کے مقابلہ میں کمتر درجہ کی زبان قرار دیا جائے۔ اس بات پر زور دیا گیا کہ اردو کسی حیثیت سے بھی ہندی کی ایک شاخ یا شیلی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو ننانوے فیصدی ہندی کے علماء نے بھی تسلیم کیا۔ بحثوں کے دوران میں یہ بات بھی زیر غور آئی کہ اس ہندی کو جسے راج بھاشا بننا ہے، آسان اور سادہ ہونا چاہیے جس میں عام طور پر سمجھے جانے والے صرف فارسی عربی ہی کے نہیں بلکہ دوسری زبانوں کے مستعمل الفاظ بھی شامل ہونا چاہئیں۔ ہندی کے بعض علماء کی طرف سے یہ زور دیا گیا کہ اگر ہندی میں سنسکرت کے الفاظ زیادہ سے زیادہ استعمال کیے جائیں تو ہندی کا رشتہ ان تمام زبانوں سے استوار ہو جائے گا جن میں سنسکرت کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اس کانفرنس میں اس خیال کی سخت مخالفت کی گئی اور تامل، تلگو، گجراتی، مرہٹی، بنگالی کے مقرروں نے کھلم کھلا اس خیال کا اظہار کیا کہ راج بھاشا کو سنسکرت کے خالص الفاظ سے بوجھل بنانا نہ تو علمی حیثیت سے درست ہے اور نہ عملاً اس سے ہندی کو فائدہ پہونچ سکتا ہے۔

کانفرنس میں اردو کی نمائندگی پروفیسر سید احتشام حسین، سید جعفر رضا اور ڈاکٹر محمد عقیل رضوی نے کی۔ پروفیسر احتشام حسین نے اپنے مضمون میں اس بات پر زور دیا کہ ہندی کے راج بھاشا بننے سے ہندی والوں کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں انھیں اپنے کسی قول یا عمل سے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی زبان سب زبانوں سے اعلیٰ ہے یہ محض تاریخی اتفاق ہے کہ موجودہ سیاسی حالات میں ہندی کو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ ہندی کے مبلغین اور بہت اپنے بے جا جوش و خروش میں کبھی ہندوستان کی دوسری قومی زبانوں کو کمتر درجہ کا قرار دیتے ہیں اور کبھی اردو کو فرقہ وارانہ غیر ملکی یا ہندی کی ایک شاخ کہہ کر ایک محدود زبان ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بات ہندی کو فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ ہندی کو فراخ دلی سے ہندوستان کی ہر زبان کے بہترین عناصر کو جذب ہونے کا موقع دینا چاہیے اور اس بات میں جلدی نہیں کرنا چاہیے کہ دوسری زبانوں کے بولنے والے ہندی کو فوراً ہی قبول کر لیں گے یا وہ جگہ دیں گے جو وہ اپنی مادری زبان کو دیتے ہیں۔ سید جعفر رضا (الٰہ آباد یونیورسٹی) نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ زبان کے خالص علمی مسئلہ کو سیاست کی ترازو پر تولا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندی والے اپنی برتری کو مستحکم بنانے کے لیے یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ اردو والے اپنے رسم خط کی جگہ دیوناگری اختیار کر لیں۔ اردو کے ادیبوں اور پڑھنے والوں کو اس پر اعتراض نہیں کہ اردو کی کتابیں دیوناگری رسم خط میں بھی شایع ہوں لیکن یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہے کہ جمہوریت کے دور میں وہ کسی زبان کے بولنے والوں کو اپنا رسم خط چھوڑ دینے پر مجبور کرے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اردو رسم خط کو غلطی سے مسلمانوں سے منسوب کیا جا رہا ہے حالانکہ اس کو ایک حیثیت سے بین الاقوامی رسم خط کہا جا سکتا ہے۔ آگے چل کر انھوں نے اپنے مضمون میں ہندی کے اسلوب کی خامیوں کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ جب تک تذکیر و تانیث، محاورات روزمرہ، تلفظ اور صحیح مفہوم کی طرف توجہ نہیں کریں گے اس وقت تک ہندی نثر میں توانائی نہیں آ سکتی۔ ڈاکٹر عقیل رضوی نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ صرف اردو ہی سے یہ مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے کہ وہ اپنا رسم خط بدل دے۔

اس ہندی کانفرنس کے آخری اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر سید احتشام حسین نے اس بات پر زور دیا کہ ہندی کی ایسی کانفرنسوں میں ہندی والوں کو یہ مشورہ نہیں دینا چاہیے کہ دوسری زبان والے کیا کریں اور کیا نہ کریں بلکہ انھیں یہ سوچنا چاہیے کہ دوسری زبانوں سے کیا لے کر وہ راج بھاشا کو خوبصورت اور ہر دلعزیز بنا سکتے ہیں۔ بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس کانفرنس نے کم از کم اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ زبان کے مسائل پر علمی حیثیت سے غور کرنے کی ضرورت ہے اور صرف جذبات کی رو میں بہ کر سنسکرت کے خالص الفاظ کی آمیزش یا ہندی کو جیتی بولی زبان سمجھنے کے بجائے ایک بنی بنائی مکمل زبان سمجھنے کا جذبہ نہ صرف غلط ہے بلکہ ہندی کے ارتقا

کیسے بھی نقصان دہ ہے دنیا کی ہر زبان کی طرح ہندی نارمل حالات سے بنی ہے، آج بن رہی ہے اور کل اس میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوں گی۔ اس کے لیے ہندی پریمیوں کو فراخ دلی سے تیار رہنا چاہیے۔

کانفرنس کی ساری بحثیں بہت ہی خوشگوار دوستانہ اور آزادانہ ماحول میں ہوئیں اور شدید اختلافات کے باوجود کوئی تلخی نہیں پیدا ہوئی۔ (قومی آواز)

مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کا سرکلر
شاخوں کے عہدیداروں، کارکنوں اور ہمدردوں کے نام

ابراہیم پورہ بھوپال ۲۰ رمئی انجمن ترقی اردو ہند کی شاخوں کے سلسلے میں جو نئے قواعد مرکزی مجلس عاملہ و مجلس عام نے منظور کیے ہیں وہ ہماری زبان علی گڑھ مورخہ ۸ رمئی ۱۹۶۶ء میں شائع ہو چکے ہیں جو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

جدید قواعد کے تحت انجمن کی شاخوں کے انتخابات سالانہ ہوا کریں گے۔ اس لیے ۱۹۶۶ء کے لیے نئے انتخابات جلد از جلد ہو جانا بہت ضروری ہے۔ مہربانی فرما کر اپنے قصبے، حلقے، شہر اور ضلع میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن کے ابتدائی ممبر بنا کر چناؤ کرا لیجیے۔ چناؤ ختم جون ۱۹۶۶ء تک مکمل کر کے ریاستی دفتر کو پندرہ جون تک فہرست عہدیداران، نمایندگان، تعداد ممبران اور فیس الحاق وغیرہ ارسال کر دیجیے۔

ابتدائی ممبری کی فیس پچیس پیسے، ضلع کی مجلس عام کی فیس رکنیت ایک روپیہ اور ریاستی مجلس عام کی فیس رکنیت تین روپے سالانہ ہے۔

ہر مقامی شاخ اپنے ممبروں کی تعداد کے لحاظ سے ضلعی شاخ کی رکنیت کے لیے ہر بیس ممبران پر ایک نمایندہ اور بقیہ ممبران پر ایک نمایندہ (بشرطیکہ بقیہ ممبران کی تعداد دس سے کم نہ ہو) منتخب کرے گی۔ یہ نمایندے ضلعی شاخ کی مجلس عام کے رکن ہوں گے۔

ہر ضلعی شاخ کی مجلس عام کو اختیار ہوگا کہ اپنے ممبران کی تعداد کے لحاظ سے ریاستی شاخ کی رکنیت کے لیے اپنے نمایندے اس حساب سے منتخب کرے کہ ضلع کے ہر دو سو ممبران یعنی ابتدائی دو سو ممبران پر ایک نمایندہ اور بقیہ ممبران پر ایک نمایندہ (بشرطیکہ بقیہ ممبران کی تعداد پچاس یعنی سو ممبران ابتدائی سے کم نہ ہو)

اپنی کارگزاری رپورٹ، حسابات کی آڈٹ رپورٹ اور گذشتہ سال کی بقایا رقم (اگر آپ کی انجمن کے ذمہ ہوں) ارسال فرمایئے۔

نئے سال سے فیس رکنیت کی آمدنی کا دس فیصدی بطور فیس الحاق ارسال کیا جائے۔

امید ہے کہ تمام اردو دوست اردو کے مسئلے کی اہمیت اور اس سے اپنے لگاؤ، خلوص اور محبت کے پیش نظر انجمن کے دائرہ کو زیادہ وسیع، مضبوط اور منظم بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ ممبر سازی فرمائیں گے۔ ممبری کے لیے عورت مرد کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے اپنے گھر، پڑوس، دوست احباب سب کو ممبر بنائیے۔ اردو کے لیے آپ کی تھوڑی سی دلچسپی اور کوشش کے نتائج بہت اچھے اور شاندار ہو سکتے ہیں۔

شرقی عثمانی
(قائم مقام صدر مدھیہ پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو)
بھوپال (ایم۔ پی)

انجمن ترقی اردو دلی کے وفد کی وزیر بجلی و آبپاشی سے ملاقات

نئی دلی، ۲۹ رمئی۔ انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کا ایک وفد آج یہاں حکومت ہند کے وزیر بجلی و آبپاشی جناب فخرالدین علی احمد سے ملا اور ان کو اردو کے مطالبات کے سلسلے میں ایک میمورنڈم پیش کیا۔ موصوف نے وفد کی باتوں کو غور سے سنا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں صدر کانگریس جناب کامراج اور وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی سے گفتگو کریں گے۔ ادھر انجمن کا ایک وفد کل وزیر اعظم ہند سے بھی مل رہا ہے۔ آج کے وفد کی قیادت الہ آباد ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب بشیشور پرشاد سنہا کر رہے تھے۔ وفد کے دوسرے ارکان میں محترمہ حمیدہ سلطان جناب خوشتر گرامی اور جناب بہار برنی شامل تھے۔

یقین کیا جاتا ہے کہ اردو کا مسئلہ آیندہ ہونے والی وزراء اعلیٰ کی کانفرنس میں زیر غور آئے گا۔ یاد رہے کہ بمبئی میں اے۔ آئی۔ سی۔ سی۔ کے حالیہ اجلاس کے دوران اردو محافظ دستہ نے اجلاس کے باہر دھرنا دیا تھا اور بعد ازاں ان کا ایک وفد صدر کانگریس سے ملا تھا صدر کانگریس نے انھیں یقین دلایا تھا کہ اس مسئلہ پر چیف منسٹروں کی آیندہ کانفرنس میں غور کیا جائے گا۔ (الجمعیۃ)

ادبی رسائل کے پرانے فائل درکار ہیں

مجھے اردو کے ادبی رسالوں کے پرانے فائل درکار ہیں جو صاحب الگ کرنا چاہیں وہ اس پتہ پر خط و کتابت کریں۔

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صدر شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی
دہلی ۷

انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے ایک وفد کی وزیر اعظم سے ملاقات

دلی ۳۰ رمئی۔ انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے ایک وفد نے جس کی قیادت بیگم انیس قدوائی ایم۔پی کر رہی تھیں، آج یہاں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور ان کو انجمن کی طرف سے ایک میمورنڈم پیش کیا۔ وفد میں محترمہ حمیدہ سلطان، جناب خوشتر گرامی اور جناب بہار برنی شامل تھے۔

میمورنڈم میں کہا گیا تھا کہ دلی سیکڑوں برس، اردو تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہی ہے اور آج بھی بلا تخصیص فرقہ دلی والوں کی زبان ہے اور یہاں کسی سطح پر اردو کی کوئی مخالفت نہیں ہے۔ میمورنڈم میں سابق اسٹیٹ اسمبلی کی زبان کمیٹی کی رپورٹ کا حوالہ دیا گیا تھا جس میں ساہتیہ ہندی سمیلن کا بھی ایک نمایندہ شامل تھا اس میں متفقہ طور پر اردو کو دلی کی زبان تسلیم کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ میمورنڈم میں کہا گیا تھا کہ ہوم منسٹری نے اب تک اس رپورٹ کو سرد خانے میں ڈال رکھا ہے۔ میمورنڈم میں دلی میونسپل کارپوریشن میں اردو کی حیثیت کا بھی ذکر تھا اور اسے سرکاری حیثیت حاصل نہ ہونے سے جو مشکلات اردو بولنے والے لاکھوں عوام کو تعلیمی اور دوسرے مختلف میدانوں میں پیش آ رہی ہیں ان کا تذکرہ تھا۔ آخر میں اس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ آئین کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو دلی میں علاقائی اور دوسری سرکاری زبان تسلیم کیا جائے اور اس بے انصافی کا خاتمہ کیا جائے جو اب تک اردو والوں کے ساتھ روا رکھی جا رہی ہے۔

وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے دلچسپی اور غور کے ساتھ وفد کی معروضات کو سنا اور جناب بہار برنی نے شریمتی گاندھی کو دلی اردو کنونشن کی طرف سے پیش کردہ مطالبہ نامہ پر توجہ دلائی اور اس مطالبہ نامہ کی ایک کاپی بھی پیش کی جو شری شاستری کو پیش کیا گیا تھا اور کہا کہ دلی کے سب ہی سیاسی سماجی اور کاروباری حلقوں کی تائید اردو کو حاصل ہے۔ محض سرکاری سطح سے مخالفت ہو رہی ہے۔ شریمتی گاندھی کو سورگباشی جناب نہرو کے ایک خط کی نقل بھی پیش کی گئی جو انھوں نے انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے صدر کو لکھا تھا جس میں دلی میں اردو کے سلسلہ میں یقین دہانی کی گئی تھی اور دلی میں اردو کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ مسز گاندھی نے کچھ سوالات اراکین وفد سے کیے اور اس معاملہ پر ہمدردانہ غور کرنے کا یقین دلایا۔

خیال ہے کہ انجمن کا ایک وفد صدر کانگریس سے بھی اس سلسلہ میں ملے گا۔۔ بیگم انیس قدوائی ان سے اس مسئلہ پر بات چیت کر بھی چکی ہیں۔

(الجمعیۃ دہلی)

انبالہ چھاؤنی میں انجمن کی شاخ قائم ہو گئی

انبالہ چھاؤنی۔ مورخہ ۲۲ رمئی ۱۹۶۶ء۔ آج بروز اتوار بوقت ۵ بجے شام جناب صابر ابوہری صاحب ایم۔اے سپرنٹنڈنٹ، ٹیلیگرافس کے قیام گاہ پر اردو شعرا چھاؤنی کی ایک خاص میٹنگ زیر صدارت جناب صابر صاحب موصوف منعقد ہوئی جس میں انجمن ترقی اردو شاخ انبالہ چھاؤنی کا قیام عمل میں آیا اور متفقہ طور پر صابر صاحب کو صدر اور جناب ک۔ب۔ پرواز کو سکریٹری چنا گیا۔ دیگر عہدیداران اور صوبائی شاخ کے نمائندوں کو چننے کا اختیار جناب اوم پرکاش ملک صوبائی سکریٹری انجمن ترقی اردو کو دیا گیا۔ جناب ملک نے اپنی مختصر تقریر کے دوران فرمایا کہ اردو زبان جو ہندوستان کی ہردلعزیز زبان ہے اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ انجمن کی زیادہ سے زیادہ شاخیں کھول کر اسے با اثر اور مضبوط بنایا جائے۔ میٹنگ صدر کے شکریہ کے ساتھ ختم ہوئی۔

(ک۔ب۔ پرواز سکریٹری)

کلکتہ ریڈیو سے اردو پروگرام نشر کیے جائیں

انجمن ترقی اردو کا مطالبہ

انجمن ترقی اردو ہند (ریاستی شاخ مغربی بنگال) کے جنرل سکریٹری جناب ایم۔اے مجید نے چند روز قبل آل انڈیا ریڈیو کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہ دہلی اسٹیشن سے روزانہ آدھ گھنٹے اردو کا پروگرام ۱۵ رمئی سے نشر ہوا کرے گا، ڈائرکٹر کلکتہ ریڈیو اسٹیشن، ڈائرکٹر جنرل آل انڈیا ریڈیو اور جناب راج بہادر وزیر اطلاعات ہند سے اردو والوں کے پچھلے مطالبہ کا اعادہ کرتے ہوئے یہ اپیل کی کہ کلکتہ اسٹیشن سے بھی روزانہ اردو کے پروگرام نشر کرنے کا انتظام کیا جائے چونکہ مغربی بنگال اور خاص کر کلکتہ میں اردو بولنے والوں کی بڑی تعداد بستی ہے اور ان کی خواہش ہے کہ یہاں سے اردو پروگرام نشر کیے جائیں۔ ۲۰ رمئی کے خط میں کلکتہ ریڈیو اسٹیشن کے ڈائرکٹر صاحب کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ انجمن کی جانب سے جو مطالبہ کیا گیا ہے اس پر کافی توجہ کے ساتھ غور کیا جا رہا ہے۔ مزید جواب کا انتظار کر لینے کے بعد دوسری ضروری کارروائیاں کی جائیں گی۔

(ادریس ناگی جائنٹ سکریٹری)

"ہماری زبان" کے خریداروں سے ایک گزارش

"ہماری زبان" کے خریداروں کے پتوں کی فہرستوں کو از سر نو ترتیب دیا گیا ہے جس کی وجہ سے خریداروں کے نمبر خریداری یکم جون سے بدل گئے ہیں۔ اس لیے خریداروں سے گزارش ہے کہ اس شمارے کے پتے پر درج اپنے نئے خریداری نمبر نوٹ کر لیں اور آئندہ نئے نمبروں کے حوالے سے خط و کتابت کریں۔

منیجر ہماری زبان

تبصرے

ماہنامہ شب خون

ایڈیٹر: ڈاکٹر سید اعجاز حسین
قیمت فی شمارہ ایک روپیہ
سالانہ چندہ دس روپے
ملنے کا پتہ: ۳۱۳ رانی منڈی الہ آباد

ہندوستان سے ایسے اچھے ادبی ماہنامہ بہت کم نکلتے ہیں کہ جن میں لکھنے کو جی چاہے یا جن کو پڑھ کر زندگی اور ادب کے جدید تر رجحانات سے واقفیت حاصل کی جا سکے۔ پڑھنے والے کے ذہن اور ذوق کی تربیت کرنا، جذباتی افق کو وسیع کرنا، جدید عہد کی برکتوں اور لعنتوں سے اسے آگاہ کرنا عام ماہناموں کا مقصد نہیں ہوتا۔ ان کے پیش نظر تو صرف ایک معیار ہوتا ہے کہ مشہور ادیبوں کی ایسی چیزوں کو یکجا کر دیا جائے جن کو پڑھنے میں قاری کو اور جمع کرنے میں ایڈیٹر کو کسی زحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ ذہنی تن آسانی اور ادبی سہل انگاری کی اس فضا میں کسی ایسے ماہنامہ کا اجرا، جو زندگی اور ادب کے زندہ مسائل پر دعوت غور و فکر دے، ہر لحاظ سے ستائش کے قابل ہے۔ 'شب خون' جو ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے یقیناً ایسا ماہنامہ ہے جس میں ہم اپنے زمانے کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے تاب نظارہ شرط ہے۔

زیر تبصرہ شمارے میں حصۂ نثر میں جدید شاعری، ہندوستانی موسیقی اور ڈراما پر پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر ستیا دیو سرن اور جناب مسیح الزماں کے مضامین اور نفسیات جنس پر ہیبرن رچرڈ فان کرافٹ ابنگ کی کتاب کا ایک باب کا ترجمہ جو شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کیا ہے، فکر کے نئے پہلو سامنے لے کر آئے ہیں۔ 'شعرائے الہ آباد' کے عنوان سے ڈاکٹر اعجاز نے ایک مستقل سلسلہ شروع کیا ہے جس میں الہ آباد کے ان شاعروں کا تعارف ہے جنھوں نے اردو شاعری کو سنوارنے اور نکھارنے میں اپنا خون جگر صرف کیا لیکن جو کچھ اپنی بے نیازی اور کچھ زمانے کی بے اعتنائی کی وجہ سے گمنام رہ گئے۔ یہ سلسلہ شاہ غلام قطب الدین مصیبؔ کے حالات اور ان کی شاعری پر مختصر تبصرے سے شروع ہوا ہے۔ اس سلسلے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ حوالوں اور حواشی سے بوجھل نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں وہ تمام مواد موجود ہے جو ایک اچھے تذکرے میں ہونا چاہیے۔ مزید برآں اعجاز صاحب کی سادہ اور شگفتہ نثر نے اس میں ایک خاص دلکشی پیدا کر دی ہے۔

افسانوی حصہ کمزور ہے۔ بجا نک افسانے میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے اسے بجا نک کہا جا سکے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی، سلیمان اریب اور عثمان عارفی کی غزلیں، حمیق حنفی اور انتخاب سیّد کی نظمیں، ورلین کی نظموں کا ترجمہ اور منظور الامین کا منظوم انشائیہ اچھی اور سچی شاعری کے قابل قدر نمونے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عقیل صاحب کے تبصرے مختصر ہیں بہت سی باتیں جو وہ کہنا چاہتے تھے ان کہی رہ گئیں جس کی وجہ سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ ادارۂ شب خون کو تبصروں پر خصوصی توجہ دینا چاہیے اور صرف اردو کتابوں ہی پر نہیں دوسری زبانوں کی اہم تصنیفات پر بھی سیر حاصل تبصرے شائع کرنا چاہیے۔

رسالہ کا گیٹ اپ اچھا ہے لیکن کتابت میں فن کا مظاہرہ ضرورت سے زیادہ کیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی 'شب خون' اردو ماہناموں میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔

نوائے سیفیہ۔ (بھوپال نمبر (حصہ ۲)

"نوائے سیفیہ" شعبۂ اردو سیفیہ کالج بھوپال کا ترجمان ہے۔ زیر تبصرہ شمارہ بھوپال کی علمی، ادبی اور تہذیبی خدمات کے جائزوں اور تبصروں پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک شمارہ اس خاص مقصد کے لیے مخصوص کیا جا چکا ہے جس کو علمی اور ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ مضامین، موضوعات کا انتخاب، ان کی ترتیب، کتابت و طباعت ہر چیز میں خوش سلیقگی اور ذوق کا ثبوت دیا گیا ہے۔ چالیس صفحات کے اس مختصر نمبر کو دیکھ کر دریا کو کوزے میں بند کرنے والی مشہور مثل یاد آتی ہے۔ چونکہ اس نمبر کو ترتیب دینے میں عبد القوی دسنوی صدر شعبۂ اردو سیفیہ کالج "شریک غالب" ہیں، اس لیے ہم ان کو مبارکباد دیتے ہیں۔

آئینۂ غالب۔

شائع کردہ پبلیکیشنز۔ ڈویژن اولڈ سکریٹریٹ، دہلی ۲

ماہنامہ 'آجکل' دہلی میں غالب کی شاعری اور شخصیت پر جو تنقیدی اور تحقیقی مضامین پچھلے چند سالوں میں شائع ہوئے ہیں "آئینۂ غالب" ان کا انتخاب ہے۔ مضمون نگاروں میں قریب قریب وہ سب نام شامل ہیں جنھیں غالبیات کے موضوع سے خاص دلچسپی ہے۔

۲۷۷ صفحات کی یہ کتاب ۵ روپے میں اوپر دیئے ہوئے پتے سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپایا پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا